علامہ اقبال کا نثری سرمایہ

ڈاکٹر سید طالب حسین بخاری

Iqbal took the leverage of depending both on Prose and Poetic senses for the recognition of his thoughts and ideas. Likewise his poetry, his prose also have a distinct and separate denomination. As a matter of fact, a comparative analysis of Iqbal's prose writing and it's properties is attributed here in the under review article. The prose work of Iqbal is a non depreciable (tremendously appreciable) knowledge full effort. This work is encompassed into his prefaces on his Poetic Books, articles published in various scientific journals, his letters, Khutbaat as well as it included in his permanent books. Iqbal's style of expression is virtuous and very unique, for instance, and it attracts a great deal of concerned persons having aesthetic taste for Literature, for the efficient use of idiomatic phrases expressed in either Urdu or English. In the under discussion article, not only his prose work and it's typical expression is being nominated but also his scientific work on his prose material is being pointed out.

حضرت علامہ اقبال کی آفاقی نوعیت کی شاعری انسان اور مردِ مومن کے تشخص کی عکاس ہے اور یہ چار دانگ عالم کے اہل علم و دانش میں مقبول ہے لیکن شاعر مشرق کے نثری سرمایہ کو وہ توجہ حاصل نہیں رہی جو شاعری کے حصہ میں آئی۔ حضرت علامہ اقبال کے مضامین کا سلسلہ ۱۹۰۲ء سے شروع ہوا۔ پہلے مضامین حضرت علامہ اقبال نے رسالہ مخزن کے لیے لکھے۔[۱] حضرت علامہ اقبال کے ابتدائی مضامین بھی سلاست و لطافت سے مزین ہیں۔ حضرت علامہ اقبال کا ذوق دوسرے ادیبوں سے مختلف دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے بچوں کے لیے بھی مضامین لکھے جن کی بنیاد علومِ جدیدہ پر ہے۔ ۱۹۰۲ء کے مخزن رسالہ میں ''بچوں کی تعلیم و تربیت'' کے عنوان سے مضمون شائع ہوا۔ اس میں بچوں کی نفسیات، ان کی ترغیبات ذہن اور ان کے ماحول کے محرکات وغیرہ کا علمی بیان ہے۔ علامہ نے بچے کو کامل شخصیت کی حیثیت میں دیکھنے کی طرف متوجہ کیا ہے جو متحرک ہے جامد نہیں۔

حضرت علامہ اقبال کی پہلی کتاب علم الاقتصاد ۱۹۰۴ء میں طبع ہوئی۔ یہ نثر کی کتاب ہے۔ مہاراجہ

کشن پرشاد کو ۱۵/اپریل ۱۹۱۷ء کو ایک مراسلہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی ایک عرصہ سے جاری ہے۔ علم الاقتصاد پر اُردو میں سب سے پہلی مستند کتاب میں نے لکھی ہے۔''

حضرت علامہ نے اجتہاد کی ضرورت کو اُجاگر کیا اور فرقہ واریت کے موجودہ ماحول میں اس کام کی موزوں جگہ مسلمانوں کی نمائندہ پارلیمنٹ کو قرار دیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ قومی زندگی میں ملک کے جس قابل عمل نتیجہ تک پہنچنے کے انتظار کی بات تھی وہ قابل عمل نتیجہ یہ تھا کہ خاص خودمختار پارلیمنٹ کے قیام کی خاطر مسلم ریاست کا قیام ضروری سمجھا گیا۔ ملک تو بن گیا لیکن 'اجتماعی اجتہاد' کی تجویز تاحال لائق توجہ اور قابلِ تسلیم نہیں ٹھہری اور یہی اس ملک و ملت کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ علامہ اقبال نے مقالات بھی لکھے۔ یہ مقالات انگریزی زبان میں لکھے گئے اور مدراس میں پڑھے گئے۔ سید نذیر نیازی نے ترجمہ کر کے کتاب کو تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کا نام دیا۔ ان کا ترجمہ سید نذیر نیازی نے ۱۹۲۹ء میں کیا۔ اُن کا کہنا ہے کہ انھوں نے حضرت علامہ اقبال سے ترجمہ کی اجازت لی۔ آپ نے فرمایا کہ غیر انگریزی دانوں کے لیے ایسا ترجمہ کیا جائے کہ وہ ان خطبات کو سمجھ سکیں۔ اور ترجمہ ملاحظہ فرماتے ہوئے عبارات کی اصلاح بھی فرمائی۔ ان خطبات میں فلسفیانہ رنگ اور عالمانہ اندازِ بیان نمایاں ہے۔ ان میں فکری گہرائی اور وسعت خیالی دکھائی دیتی ہے۔ اس کے علاوہ علامہ اقبال نے متعدد مضامین بھی لکھے۔ ان میں بچوں کی تعلیم و تربیت، زبان اُردو اور اُردو زبان پنجاب میں، قومی زندگی، خلافتِ اسلامیہ، دیباچہ مثنوی اسرارِ خودی، اسرار خودی اور تصوف، اسلام کا مطالعہ زمانہ حال کی روشنی میں، جیسے مضامین شامل ہیں۔ ان مضامین کی بنیاد زیادہ تر اصولِ حرکت پر استوار ہے۔ علامہ اقبال کے نثری اثاثہ پر یہ رنگ نمایاں کرنے میں ان کے صوفی استاد مولوی سید میر حسن اور صوفی پدر بزرگوار شیخ نور محمد کا خاص حصہ ہے۔ ان کی ابتدائی تربیت سے حضرت علامہ اقبال کے فکری سفر کی سمت کا تعین ہو گیا۔ اور وہ اس کی تعمیر نو کی جانب تادم آخریں گام زن رہے۔ اسلام اور نظریات اسلام کہیں بھی ان سے جدا نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کے ساتھ ساتھ ان کی نثری تحریریں بھی پُر اثر ہیں۔

حضرت علامہ اقبال کا انداز بیان تشریحی اور توضیحی ہے لیکن آپ نے دلچسپی کو بہرحال مدنظر رکھا ہے۔ اُن کی عبارات میں سادگی اور سلاست بھی ہے اور معلمانہ تشریحی انداز بھی پایا جاتا ہے۔ اُن کے علمی مضامین میں اختصار اور جامعیت ہے۔ خطبات کو ہمیشہ فکری سرمایہ سمجھا گیا ہے اور انھیں بہ نگاہِ استحسان دیکھا گیا ہے۔ کاش حضرت اقبال کے خوابوں کی تعبیر کے طور پر پاکستان میں ان تصورات پر عمل بھی ہوتا۔

شبلی کی فلسفیانہ نثر اور حضرت اقبال کی حکیمانہ نثر میں یہ فرق ہے کہ شبلی کی تحریروں کا جھکاؤ کسی حد تک سر سید احمد خان کے دبستان نثر کی جانب ہے۔ یعنی وہ عبارتوں کی علمی شان قائم رکھتے ہوئے یہ بھی دیکھتے ہیں کہ محاورے کی بے تکلفی قائم رہے۔ اقبال محاورے کی بے تکلفی کو ضروری نہیں سمجھتے وہ علمی عبارت کی علمی فضا کا خیال رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریریں فلسفیانہ حسن رکھتی ہیں۔ بے رنگ نہیں۔

یہ ان کی علمی زبان ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ تفکرات زمانہ اور گوناگوں مصروفیات کے باوجود اقبال اپنی غیر فانی نظموں کی طرح اُردو نثر کو بھی گراں مایہ فکری سرمایہ عطا کر گئے۔ خصوصاً مکاتیب اقبال تو فکر اقبال کے حاشیہ کی حیثیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کا مقالہ مطبوعہ خیابان پشاور یونیورسٹی ''نثر اقبال میں اشتراک مطالب'' اس کا شاہد عادل ہے۔ مقالات اقبال کے مطالعہ سے قاری کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اُردو انشا پردازی کے میدان میں علامہ کا پایہ کتنا بلند ہے۔ خصوصاً تہذیبوں کے تصادم کی فضا میں مغربی تہذیب و تمدن پر اقبال کی تنقیدی نظر سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ بیسویں صدی میں علامہ سے بڑھ کر کسی نے اس تہذیب و ثقافت کا گہری نظر سے مطالعہ کر کے اساسی نتائج اخذ نہیں کیے۔ جن کی مدد سے ہم بنیادی فیصلے کر سکتے ہوں۔

اقوام عالم فکر اقبال کا مطالعہ ایک ایسی فراست کے طور پر کر رہی ہیں جس نے مسلمانانِ برصغیر کو ایسی نظریاتی اور اساسی قوت فراہم کی جس سے پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ اقبال کی شخصیت اور اندازِ فکر کا مطالعہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک ان کی نثری تحریروں اور شاعری کا مکمل طور پر مطالعہ نہ کیا جائے۔ ان کے مکمل مطالعہ سے ان کی شخصیت کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ ان کی نثر کے مطالعے کے بغیر ان پر تحقیق مکمل نہیں ہو سکتی، مقالاتِ اقبال، خطبات اقبال، مکاتیب اقبال اور نگارشاتِ اقبال اہم نثری سرمائے ہیں۔

مذہبی رواداری اور اسلامی روشن خیالی علامہ کی فکری اساس ہے۔ جو کہ مغرب اور مشرق میں تعلق اور رابطے کی اساس فراہم کرتی ہے۔ حیات اقبال میں بھی اقوام عالم اُن کے افکار و نظریات سے متاثر ہوئیں۔ ان کی وفات سے یہ چشمۂ فیض بند نہیں ہوا بلکہ جاری ہے۔ حضرت اقبال نے جب علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء کے سامنے خطبات پڑھے تو صدر شعبہ فلسفہ ڈاکٹر سید ظفر الحسن نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے جو سر سید احمد خان کا معتقد تھا۔ آج وہ ایسے ہی اہدافِ عمل میں سے ایک کو بے مثال کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں۔ یہ کام مہتم بالشان اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام میں فلسفہ دین کی تشکیل نو یا بالفاظِ دیگر ایک نئے علم کلام کی تخلیق۔ اقبال وہ کام کر کے علی گڑھ لائے ہیں جو اس ادارے کے عظیم بانی کی خواہش تھی۔ سر سید کے مزار پر اس سے بہتر نذرانہ عقیدت اور کیا پیش کیا جا سکتا ہے۔ علم کلام کا کام یہ واضح کرنا ہے کہ حقائق دینی، فلسفہ اور سائنس میں کوئی عدم مطابقت نہیں ہے۔(۲)

اقبال کے بعد دوسری نسل کے مبصر سلیم احمد نے خطبات اقبال کے بارے میں لکھا:

> اقبال کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ مغربی تہذیب کی آمد سے جو مخصوص صورت حال پیدا ہوئی ہے۔ اسے پیش نظر رکھ کر اسلام اور اسلامی تہذیب مین اصولِ حرکت کو بیان کیا جائے......(۳)

چنانچہ اقبال کا حقیقی مسئلہ یہ تھا:

۱-   حرکت

۲-   عقل استقرائی

۳-   عقل اختیاری کی روشنی میں اسلامی تہذیب اور اسلام کی حقیقت کو از سرِ نو متعین کیا جائے۔

اقبال نے صورت حال کا جو تجزیہ کیا ہے سرسید، حالی، شبلی، اکبر اور دوسرے مسلمان اہل فکر نے اس صورت حال کو اس طرح نہیں سمجھا تھا جس طرح حضرت اقبال نے سمجھا۔

سید نذیر نیازی نے جو حضرت اقبال کے بہت قریب رہے، اور جنھیں خطبات اقبال کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ لکھتے ہیں:

> پھر جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ خطبات ہی تو ہیں جن کی بدولت اسلامی روایت فکر کا احیا ہوا تو اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک ہی اس غور و تفکر کا سرچشمہ ہے۔ جس پر خطبات کی بنیاد رکھی گئی۔[۴]

خطبات پر کئی مبصرین نے تبصرے لکھے جن میں خطبات کا ماخذ قرآن کو قرار دیا گیا یا ان خطبات کو اسلامی تشخص کا آئینہ دار کہا گیا لیکن ان خطبات کے خلاف بھی لکھا گیا اور کئی بحثیں چھڑیں۔ اتنا ضرور ہے کہ ان خطبات نے علمی دنیا میں ہلچل مچا دی۔

ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

> اسی طرح اقبال اپنے آپ کو شاعر تسلیم نہ کرتے تھے۔ انھیں خیال تھا کہ شاید آنے والی نسلیں انھیں شاعر نہ سمجھیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کے ذہن میں چند باتیں ہیں جو دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے شاعری کو بطور ایک ذریعہ استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنا شمار فلسفیوں میں نہیں کرتے ہیں کیونکہ کانٹ یا ہیگل کی طرح انھوں نے کوئی فلسفیانہ سٹرکچر تعمیر نہ کیا۔[۵]

میرا خیال ہے کہ اقبال نے اپنے فلسفہ (خودی) اور اس سے متعلق تمام مباحث کو ایک مسلسل رشتے میں پرویا ہے اور ہر چند کہ یہ افکار شاعری کے ذریعے عام ہوئے اس سے یہ تاثر لینا کہ انھوں نے کوئی فلسفیانہ سٹرکچر تعمیر نہ کیا درست نہیں۔

اقبال جتنے بلند خیال مفکر تھے اتنے ہی اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی تھے اس لیے شاعرانہ حد بندیاں ان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکیں۔ ان کے نثری اثاثہ سے دوری اختیار کر کے ہم ان کی شخصیت سے مکمل طور پر آشنا نہیں ہو سکتے۔ ڈاکٹر سلیم اختر مضمون ''اقبال کی نثر کا مزاج'' میں لکھتے ہیں:

> اقبال کی نثر کے سلسلہ میں یہ اساسی امر ملحوظ رہے کہ اقبال بنیادی طور پر نثر نگار نہ تھے۔ ان معنوں میں نثر نگار کہ صرف نثر کو ہی وسیلہ اظہار بنایا اور زیادہ تر اسی کو خیالات کی ترسیل اور تصورات کے ابلاغ کے لیے منتخب کیا۔ گو اقبال یورپ جانے سے پیشتر علم الاقتصاد ایسے اہم موضوع پر ایک باضابطہ کتاب لکھ چکے تھے۔ یہ کتاب اقبال

کے اقتصادی تصورات سمجھنے میں بہت ممد ثابت ہو سکتی ہے۔ بالخصوص وہ اقتصادی تصورات جو ایک حد کے بعد ملکی سیاست پر بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں......(۶)

لیکن سلیم اختر اسی مضمون میں آگے جا کر تحریر کرتے ہیں:

اقبال کی نثر کے مطالعہ کے ضمن میں یہ حقیقت ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اقبال نے خود کو روایتی ادیبوں سے ہمیشہ ممیّز کیا۔(۷)

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ڈاکٹر سلیم یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ اقبال بنیادی طور پر نثر نگار نہ تھے۔ اس کے معنی کچھ بھی ہوں لیکن پھر یہ بھی کہہ دینا کہ روایتی ادیبوں میں ممیّز مقام کے حامل تھے۔ تو پھر اس صورت میں انھیں نثر نگار تسلیم نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔ وہ نثر کے لیے موزوں مزاج رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی نثر نگاری کا مشورہ دیتے تھے۔

اقبال نے کئی دوسرے لوگوں کو بھی اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے نثر کو ذریعہ بنانے کا مشورہ دیا تھا۔ میاں اسلم صاحب نے اپنے مضمون میں انکشاف کیا ہے کہ وہ اقبال کے کہنے پر نثر کی طرف متوجہ ہوئے (راوی، اقبال نمبر، ۱۹۷۴ء) یہاں اس بات کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اقبال نے ایم اسلم کو کالج کے انعامی مشاعرہ میں نظم پر اول انعام حاصل کرنے پر نثر کا مشورہ دیا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ اقبال غیر ضروری شعراء کو قوم کے لیے مضر خیال فرماتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ قوم کے لیے زلف و چشم اور گل و بلبل کی شاعری کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ سر سید اور حالی کی طرح نئے خیالات اور مثبت رجحانات کے نفوذ کے لیے شاعری پر نثر کو ترجیح دیتے تھے۔

ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

سر سید تحریک میں نثر نگاری کی جو اہمیت تھی اُسے بطور خاص اُجاگر کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ دور نثر کا تھا۔ اقبال کے دور تک اس دور کے اثرات کلیتاً ختم نہ ہوئے تھے بلکہ قومی ترقی کی جس مہم کا سر سید نے نہایت نامساعد حالات میں آغاز کیا تھا اقبال اسے اس کی منطقی انتہا تک پہنچانے میں کامیاب رہے۔ گو اقبال نے سر سید کے دیگر نامور رفقائے کار کی مانند نثر کو بطور خاص اپنے اظہار کے لیے نہ برتا۔ لیکن ایک بات محسوس ہوتی ہے کہ اپنے مزاج کے اعتبار سے اقبال کی نثر شبلی اور محمد حسین آزاد کے مقابلے میں سر سید اور حالی کی نثری روایات کے زیادہ قریب نظر آتی ہے اور مقصد پسندی کو اقبال کی نثر کا بھی وصف خاص سمجھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ خطوط، مضامین، خطبات سب میں اقبال نے الفاظ کی سجاوٹ کے مقابلے میں مواد کی منطقی پیش کش کو فوقیت دی۔(۸)

مقصدیت کا رجحان رکھنے کے باوجود ان کی نثر روکھی پھیکی نہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت اقبال نے مقصد پر اپنے فن کو حاوی نہیں ہونے دیا۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو بڑے نثر نگاروں میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ اگر صرف اسلوب اور اندازِ بیان کو دیکھا جائے تو بھی اقبال کا شمار صف اول کے نثر نگاروں میں ہوتا ہے

کیونکہ ان کی تحریروں کی افادیت اور مقصدیت کو پیش نظر رکھا جائے تو وہ اپنی پہچان رکھتے ہیں۔

مولانا ابوالحسن ندوی کی رائے میں حکیم سنائی، عطار اور عارف رومی احترام واتباع شریعت، ہم آہنگی فکر و عمل اور یگانگت قول وفعل میں اقبال سے بہت آگے تھے۔ اقبال کے ہاں اسلام اور فکر اسلامی کی بعض تعبیریں بھی ملتی ہیں جن کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے کہ اقبال سے بہتر اسلام کو کوئی نہیں سمجھ سکا یا یہ کہ اسلامی علوم اور تاریخی حقائق کے متعلق جو معلومات اقبال کو حاصل تھیں وہ کسی اور کو نہیں۔

فکر اسلامی کی تعبیروں کے بارے میں ڈاکٹر سید ظفرالحسن نے اپنے خطبہ علی گڑھ یونیورسٹی میں کہا:

> اہل علم حاضرین کی اس ساری جماعت سے مجھے یہ کہنا ہے کہ حضرات گرامی یہ محاضرات صرف عظیم اصولوں کی شرح و بیان کے اعتبار سے ہی قابل قدر نہیں بلکہ برابر تجاویز سے بھی لبریز ہیں۔(۹)

تشکیل جدید کا ایک ہی خطبہ ''الاجتہاد فی الاسلام'' ایسی آرا کا باعث بنا ہے۔ مگر آج پورا عالم اسلام اجتماعی اجتہاد کی طرف متوجہ ہے۔ اور وہ دن دور نہیں جب اجتماعی اجتہاد کی فکر اقبال ''اجتہاد بذریعہ پارلیمنٹ'' پر مجبور کر دے کہ اس کی متفرق امت میں اتحاد کی کوئی اور صورت نظر نہیں آتی۔ اقبال ایک بڑا مقصد لے کر مدراس اور علی گڑھ گئے اور اس میں بہت کامیاب ہوئے۔ اقبال نے بعض ایسے موضوعات بھی چھیڑے جن کی اس وقت شاید ضرورت نہ تھی جتنی آج ہے۔ مثلاً آبادی اور ملکیت زمین کی تحدید کا باہمی رشتہ، علم الاقتصاد کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> یہ امر بھی ظاہر ہے کہ جوں جوں آبادی بڑھتی ہے ضرورت ان زمینوں کو کاشت میں لانے پر مجبور کرتی ہے جو اس سے پہلے غیر مزروعہ پڑی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو زمینیں افزائش آبادی سے پیشتر کاشت کی جاتی ہیں اُن کا لگان بڑھ جاتا ہے۔ زمیندار روز بروز دولت مند ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ مزید دولت جو ان کو ملتی ہے نہ اُن کی ذاتی کوششوں اور ان کے زمینوں کو محاصل مقدار بڑھنے کا نتیجہ ہوتی ہے بلکہ صرف آبادی کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے۔(۱۰)

اقبال کی نثر کے مزاج میں منطقی استدلال کی قوت کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔ وہ ایک وکیل کی طرح استدلال کرتے ہیں۔ عالمانہ انداز سے اپنے مقصد کا اظہار کرتے ہیں اور استدلال سے اپنی بات دوسروں تک اس طرح پہنچاتے ہیں کہ دلوں میں کھب کر رہ جاتی ہے۔ اقبال کی نثر کا ایک پہلو آپ کے خطوط ہیں جو بہر حال کسی نہ کسی استفسار یا علمی مسئلہ کی تفصیلات کے حوالے سے لکھے گئے ہیں۔ بہت ہی کم ایسے خطوط ہیں جو صرف نجی معاملات سے متعلق لکھے گئے۔ نثر اقبال میں ''خطباتِ اقبال'' اور ''مقالاتِ اقبال'' بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن مکاتیب کی نثری اور ادبی حیثیت اور پہچان الگ ہے۔ خطبات اور مقالات کے مطالعہ سے حضرت اقبال کے فکری رجحانات اور دینی تفکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن خطوط کی بے ساختگی حضرت اقبال کی شخصیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور ان کے مکتوب الیہم کے بارے میں معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ خود فکر اقبال

کے بعض گوشوں کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔ علامہ اقبال کی نجی محفلوں میں ہونے والی گفتگو اور ملفوظات کی نوعیت اور بھی زیادہ اہم ہے۔ مکاتیب کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقبال کے نہ صرف شعراء اور ادباء سے تعلقات تھے بلکہ ان کے تعلقات، مہاراجوں، نوابوں اور سربراہانِ مملکت سے بھی تھے۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود حضرت اقبال کا طرزِ زندگی امیرانہ نہیں بلکہ فقیرانہ تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

ترے صوفے ہیں افرنگی تیرے قالین ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی(۱۱)

جب جاوید اقبال نے حضرت علامہ اقبال کو اپنے ہاتھ سے پہلا خط لکھ کر لندن بھیجا تو جواب میں لکھا:

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر(۱۲)

پروفیسر حمید احمد خان اپنے مقالہ ''اقبال کی لفظی تحریر'' میں لکھتے ہیں:

میکلوڈ روڈ سے مڑتے ہی ڈاکٹر صاحب اپنی کوٹھی کے برآمدے میں آرام کرسی پر بے تکلفی سے بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اگر سردی کا موسم ہے تو ڈاکٹر صاحب قمیض اور شلوار میں ملبوس ایک بادامی دھسا اوڑھے ہوئے ہیں۔ اگر گرمی ہے تو قمیض کے ساتھ تہبند ہے اور قمیض کی بجائے بھی صرف بنیان ہی ہے۔(۱۳)

حضرت علامہ اقبال رسول اکرم ﷺ سے ذہنی و قلبی وابستگی اور محبت و عقیدت میں اور کلام کی معنویت اور تاثیر کے لحاظ سے سب سے آگے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ نے نعت گوئی میں اپنا انداز اختیار کیا جو انھیں ہم عصروں میں ممتاز بناتا ہے۔ وہ اپنی نثر میں بھی آنحضور ﷺ سے عقیدت کا اظہار کرتے ہیں تو نعتیہ تاثیر محسوس ہوتی ہے۔

۱۹۰۵ء میں ڈاکٹر صاحب نے دوران سفر میں ایڈیٹر وطن مولوی انشاءاللہ خان کو لکھا جس کا اقتباس پیش ہے:

اب ساحل قریب آتا جاتا ہے اور چند گھنٹوں میں ہمارا جہاز عدن پہنچے گا۔ ساحل عرب کے تصور نے جو ذوق و شوق اس وقت دل میں پیدا کر دیا ہے اس کی داستان کیا عرض کروں۔ بس دل یہی چاہتا ہے کہ زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کروں۔ اے عرب کی مقدس سرزمین! تجھ کو مبارک ہو۔ تم ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا۔ مگر ایک یتیم بچے نے خدا جانے تجھ پر کیا افسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب و تمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی۔ تیرے ریگستانوں نے ہزاروں مقدس نقش قدم دیکھے ہیں اور تیری کھجوروں کے سائے نے ہزاروں ولیوں اور مسلمانوں کو تمازتِ آفتاب سے محفوظ رکھا۔ کاش میرے بدکار جسم کی خاک تیرے بیابانوں میں اُڑتی پھرے اور یہی آوارگی میرے تاریک دنوں کا کفارہ ہو۔ کاش میں تیرے صحراؤں میں لٹ جاؤں اور

دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پروانہ کرتا ہوا اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں اذان بلال کی عاشقانہ آواز گونجی تھی۔(۱۴)

حضرت اقبال کے اس طرح کے نثر پارے جا بجا ان کے مکاتیب میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اُردو اکادمی دہلی کا اقبالیات کے محققین پر احسان ہے کہ اس ادارے نے سید مظفر حسن برنی کی مرتبہ کلیات مکاتیب اقبال کو شائع کیا۔ اس کے علاوہ شیخ عطاء اللہ اور مکاتیب اقبال کے دوسرے مرتبین نے بھی اہم کام سرانجام دیا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱- محمد عبداللہ قریشی، مقالاتِ اقبال، مرتبہ: سید عبدالواحد، القمر انٹرپرائزز، لاہور، ص ۱۰۔

۲- محمد اقبال، علامہ، خطبات اقبال تسہیل و تفہیم، از ڈاکٹر جاوید اقبال، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۹

۳- محمد سہیل عمر، خطبات اقبال نئے تناظر میں، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۱۰

۴- محمد اقبال، علامہ، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ترجمہ: سید نذیر نیازی، بزم اقبال، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۳۲

۵- جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال (تشریحات جاوید)، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۱

۶- ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر وحید عشرت، (مرتبین) اقبالیات کے سو سال،، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۱۰۹

۷- ایضاً

۸- ایضاً، ص ۱۱۰-۱۱۱

۹- جاوید اقبال، ڈاکٹر، خطبات اقبال تسہیل و تفہیم، ص ۷-۹

۱۰- محمد اقبال، شیخ، علامہ، علم الاقتصاد، اقبال اکادمی، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۱۵۲

۱۱- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال اُردو، ''بالِ جبریل''، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۲۳

۱۲- ایضاً، ص ۱۵۳

۱۳- اقبالیات کے سو سال، ص ۵۴

۱۴- محمد اقبال، علامہ، کلیات مکاتیب اقبال، مرتبہ: سید مظفر حسین برنی، اردو اکادمی، دہلی، اول، نومبر ۱۹۸۹ء، ص ۱۰۶-۱۰۷